احسان الحق

وسط ایشیا میں علوم عربیہ و اسلامیہ

(عہد سامانی میں)

عباسی سلطنت کے عروج کے زمانے (۲۴۷ھ) تک اندلس اور مراکش کے سوا باقی ساری اسلامی دنیا سندھ اور فرغانہ سے لے کر قیروان تک عباسی سلطنت کے تحت تھی۔ لیکن عباسی سلطنت کے زوال کے بعد اتحاد و وحدت کا خاتمہ ہو گیا۔ جس صوبے کو جہاں موقع ملا۔ وہاں اس نے خود مختار حکومت قائم کر لی، انہی میں وسط ایشیا کے علاقے میں قائم ہونے والی حکومت جو بڑی مشہور ہوئی "سامانی حکومت" تھی۔

وسط ایشیا کے ممالک، تاریخ کے اس دور میں خراسان اور ماوراءالنہر کے نام سے پہچانے جاتے تھے۔ سامانی عہد میں یہ ممالک خوب پھلے پھولے، سامانیوں نے ان علاقوں پر ۲۶۱ سے ۳۸۹ھ تک (۱۲۸ سال) حکومت کی۔

سامانی بادشاہ، بلخ کے ایک فارسی النسل معزز خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ خلیفہ مامون الرشید اس خاندان کی ذہانت و فطانت سے بہت متاثر تھا اور اس نے ان کی حکومت کو سند عطا کر دی تھی، اس خاندان کا سربراہ "اسد بن سامان" تھا جس کے بعد اس کے چاروں بیٹے، مامون کے اطاعت گزار ہو کر اس کی طرف سے گورنر مقرر ہوئے۔ چنانچہ نوح سمرقند کے، احمد علی فرغانہ کے، یحیی تاشقند کے اور اسماعیل علی ہرات کے والی مقرر ہوئے۔ خراسان کا اطلاق وسیع و عریض رقبے پر ہوتا تھا۔ مختلف جہتوں سے اس کے چار دارالخلافے تھے۔ ایک نیشاپور، دوسرا مرو، تیسرا ہرات اور چوتھا بلخ۔

سامانی اقتدار کا دوسرا بڑا مرکز "ماوراءالنہر" تھا۔ یہ علاقہ پانچ حصوں میں تقسیم ہوتا ہے۔

۱۔ صغد، جس کے دو بڑے شہر تھے۔ بخارا اور سمرقند۔

۲۔ خوارزم جو خیوہ اور کیوہ بھی کہلاتا ہے۔

۳۔ صغانیاں

۴۔ فرغانہ

ماوراءالنہر کے مشہور شہروں میں فرغانہ، شاش، سمرقند، بخارا، فاراب، ترمذ، اشروسنہ، زمخشر اور جرجانیہ ہیں۔

علامہ مقدسی خراسان اور ماوراءالنہر کو "اقلیم مشرق" کے نام سے یاد کرتا ہے۔ مقدسی نے سامانی عہد میں اس علاقے کا سفر کیا اور اپنے تاثرات یوں بیان کیے:

> انه اجل الاقاليم واكثرها اجلة و علماء، وهو معدن الخير و مستقر العلم و ركن الاسلام المحكم و حصنه الاعظم، ملكه خير الملوك و جنده خير الجنود، فيه يبلغ الفقهاء درجة الملوك۔

> بے شک یہ عظیم خطہ ہے، علما و فضلا کی کثیر تعداد یہاں موجود ہے۔ یہ بھلائی کا معدن، علوم کا مرکز، اسلام کا مضبوط ستون اور عظیم قلعہ ہے، اس کا بادشاہ نیک اور اس کی فوج بہترین فوج ہے، اس میں فقہا کا مقام بادشاہوں جیسا ہے۔

مقدسی کہتا ہے کہ میں نے عضدالدولہ کے ذخیرہ کتب میں خراسان کی یہ تعریف پڑھی ہے:

> خراسان فى غذاء الهواء و طيب الماء، وصحة التربة، واحكام الصنعة، و تمام الخلقة، وجودة السلاح و التجارة والعلم والعفة والدراية ترس فى وجه الترك

> خراسان آب و ہوا کی عمدگی، زمین کی زرخیزی، مضبوط صنعت، کمال خلقت، عمدہ اسلحہ و تجارت، علم و عفت اور درایت کے لحاظ سے ترکوں کے مقابلے کی ڈھال ہے۔

اہل خراسان کی مزید تعریف کرتے ہوئے مقدسی لکھتا ہے کہ "اہل خراسان نہایت تفقہ کے مالک، حق کو مضبوطی سے پکڑنے والے اور خیر و شر کو خوب پہچاننے والے ہیں، رسم و رواج میں عربوں کے زیادہ قریب ہیں، علما و فضلا کثرت علم کے ساتھ ساتھ عجیب و

غریب حافظے کے مالک، صائب الرائے اور مرفہ الحال ہیں۔ خراسان ہی میں مرو ہے جس سے دنیا قائم ہے، بلخ ہے جو مقصود جہاں ہے اور نیشا پور ہے جو نا قابل فراموش ہے۔ یہود کی تعداد زیادہ ہے اور نصاریٰ کی کم۔ اولاد علی لوج کمال پر ہے، ان کا مسلک درست اور سیدھا ہے۔ خوارج سجستان اور ہرات کے نواح میں کثیر تعداد میں ہیں۔ معتزلہ کا غلبہ نیشا پور میں ہے، مجموعی طور پر امام ابو حنیفہ کے مسلک پر عمل کیا جاتا ہے، سوائے شاش، طوس، نسا اور ابیورد کے، کہ یہاں کے باشندے شافعی ہیں۔

یہ لوگ مختلف زبانیں بولتے ہیں۔ نیشا پور کی زبان فصیح اور سمجھ میں آنے والی ہے، سوائے اس کے کہ یہ لوگ کلمات کے اوائل کو توڑتے ہیں اور ان کے لہجے میں لوچ ہے۔ اہل طوس و نسا خوب صورت زبان بولتے ہیں، سجستان کی زبان اجڈ اور اکھڑ پن لیے ہوئے ہے جو ان کے دلوں کی تنگی پر دلالت کرتی ہے۔ اہل بست کی زبان عمدہ ہے اور ہرات والوں کی زبان میں دہقانیت ہے، اہل بلخ فصیح اللسان ہیں اگرچہ ان کی زبان میں کلمات سب وشتم بہت زیادہ ہیں۔ اس علاقے میں مذہبی عصبیتیں بہت ہیں، شیعہ، کرامیہ، شافعیوں اور حنفیوں کے درمیان معرکہ آرائیاں ہیں، جس میں بعض دفعہ حکومت وقت کو مداخلت کرنا پڑتی ہے۔ سامانی بادشاہ، اپنی سیرت و کردار اور رعب و دبدبے، نیز اہل علم کی پذیرائی و قدر دانی میں اپنی مثال آپ ہیں، اسی وجہ سے مثل مشہور ہے:

"لو ان شجرة خرجت علیٰ آل سامان لیبست" (۱)

یعنی اگر کوئی درخت بھی آل سامان کے خلاف خروج کرے گا تو مرجھا جائے گا۔

محدثین

مقدسی کی اس گواہی کے بعد وسطی ایشیا کی علمی خدمات پر طائرانہ نظر ڈالتے ہوئے ہم سب سے پہلے طبقہ، محدثین کا ذکر کریں گے جنھوں نے علم دین کی عظیم خدمت انجام دی اور علم کی خاطر دور دراز ممالک کا سفر اختیار کیا، ان میں سر فہرست امام بخاری ہیں، جنھوں نے علم کی خاطر اپنے وطن بخارا سے عراق، شام، حجاز اور مصر کا سفر کیا اور احادیث کی اسناد، متن، رجال حدیث اور ان کے احوال جمع کیے اور ان کے حفظ اور ثقاہت کے بارے میں معلومات اکٹھا کیں۔ کہا جاتا ہے کہ انھوں نے دس سال کی عمر میں احادیث

کا اچھا خاصا ذخیرہ زبانی یاد کرلیا تھا اور جب سولہ سال کی عمر میں پہنچے تو کتب حدیث زبانی یاد کرنا شروع کیں۔ پھر اپنی والدہ اور ہمشیرہ کے ہمراہ مکہ معظمہ تشریف لے گئے۔ مکہ و مدینہ کے محدثین سے طلب حدیث کی۔ پھر ملکوں ملکوں پھرے اور احادیث جمع کیں۔ آخر کار چھ لاکھ احادیث کے ذخیرے سے کڑی شرائط پر اپنا مجموعہ ترتیب دیا۔ صحیح بخاری کی تدوین میں سولہ سال صرف ہوئے اور یہ مجموعہ اقصائے عالم میں مشہور ہوا۔ بصرہ و بغداد، رے و خرسان، ماوراء النہر و نیشاپور میں اسے قبول عام حاصل ہوا، ہزاروں علما اس سے مستفید ہوئے۔ آخر عمر میں فتنہ خلق قرآن کے باعث امام بخاری بخارا بدر کیے گئے اور خرتنگ، سمرقند کے ایک گاؤں میں ۲۵۶ھ میں وفات پائی۔

نیشاپور میں امام مسلم بن الحجاج نیشاپوری "صحیح مسلم" کی وجہ سے مشہور ہوئے۔ انھوں نے بھی امام بخاری کی طرح حجاز، عراق، شام اور مصر کا سفر کیا اور تین لاکھ احادیث سے صحیح احادیث کا انتخاب کر کے اپنا مجموعہ "صحیح مسلم" مرتب کیا۔ بعض محدثین صحیح مسلم کو صحیح بخاری پر بعض وجوہ کی بنا پر ترجیح دیتے ہیں۔ صحیح مسلم اپنی عمدہ ترتیب، کثرت طرق اور روایت میں محافظت الفاظ کی بنا پر یقیناً امتیازی شان رکھتی ہے۔ یہ کتاب نیشاپور میں حدیث کے میدان میں ایک بڑی علمی تحریک کا باعث بنی اور خلق خدا نے اس سے فائدہ اٹھایا۔ امام بخاری اور امام مسلم کی ان خدمات سے اس خطے میں علم حدیث سے ایک خصوصی شغف پیدا ہو گیا۔ آج تذکرہ محدثین میں ہم محدثین کی ایک کثیر تعداد ایسی پاتے ہیں جن کا تعلق اس خطے بالخصوص نیشاپور سے ہے۔

فقہ

فقہ کے میدان میں ابو حاتم محمد بن حبان التمیمی السمرقندی جیسے لوگ پیدا ہوئے۔ حدیث اور جرح و تعدیل میں بھی یہ نمایاں مقام رکھتے تھے، انھوں نے شاش اور اسکندریہ کے سینکڑوں شیوخ سے تعلیم حاصل کی، پھر سمرقند کے قاضی مقرر کیے گئے، ۳۵۴ھ میں وفات پائی۔

اسی طرح اس خطے میں امام ابو بکر محمد بن المنذر نیشاپوری بھی معرفت حدیث کے ساتھ ساتھ اجتہادی صلاحیتوں کے مالک تھے۔ ۳۱۶ھ میں ان کا انتقال ہوا۔

اس خطے کے شافعی اور حنفی علما بھی اسلامی بلاد و امصار میں علم و تفقہ کی وجہ سے مشہور ہوئے۔ شوافع کے بڑے بڑے علما میں محمد بن علی القفال الشاشی قابل ذکر ہیں جو ماوراء النہر میں امام وقت سمجھے جاتے تھے۔ شافعی مسلک کی اشاعت میں ان کا بہت بڑا حصہ ہے، فقہ و اصول میں ان کی متعدد تصانیف ہیں۔ ۳۶۵ھ میں شاش میں ان کا انتقال ہوا۔

ابو بکر بن فورک بھی بہت بڑے اصولی اور متکلم تھے، نیشاپور کے مدرسے میں درس دیتے تھے، تقریباً سو کتابوں کے مصنف ہیں۔ ۴۰۶ھ میں نیشاپور میں وفات پائی۔

ابو بکر احمد بن حسین البیہقی الحافظ الشافعی کا تعلق نیشاپور کے قریب "بیہق" سے ہے، علم کی طلب میں ملکوں ملکوں پھرے، یہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے امام شافعی کے اقوال کو دس جلدوں میں جمع کیا، ان کی مشہور تصانیف میں سنن کبیر، سنن صغیر، دلائل النبوۃ، مناقب الشافعی اور مناقب امام احمد بن حنبل قابل ذکر ہیں۔ تدریس کے لیے نیشاپور طلب کیے گئے اور وہیں ۴۵۸ھ میں وفات پائی۔

حنفیہ میں امام ابو منصور ماتریدی قابل ذکر ہیں۔ وہ علم کلام میں احناف کے لیے ایسا ہی مقام رکھتے ہیں جیسے امام اشعری کا شوافع میں ایک ممتاز مقام ہے، ان کی مشہور کتب میں کتاب التوحید، اوہام المعتزلہ اور مآخذ الشرائع فی الفقہ الجدل فی الصول الفقہ وغیرہ ہیں۔ ۳۳۳ھ میں وفات ہوئی۔ ماترید کی طرف نسبت رکھتے تھے جو سمرقند کا ایک محلہ ہے۔

یہ مختصر آچند مثالیں ہیں ان علما و محدثین اور فقہا کی جو اس خطے نے پیدا کیے۔ اس کے علاوہ بھی محدثین و فقہا کی تصانیف میں کثیر تعداد میں ایسے افراد کے نام ملتے ہیں جو ان علاقوں کی طرف نسبت رکھتے ہیں۔ یہ نسبتیں وسط ایشیا کے اس خطے کی مردم خیزی پر دلالت کرتی ہیں جیسے بلخی، سرخسی، خوارزمی، سمرقندی، فارابی، بخاری، ترمذی، صاغانی، ابیوردی، قاشانی، شاشی، نیشاپوری، مروزی، ہروی، فرغانی، زمخشری، صغدی، بیہقی وغیرہ۔

تصوف

مصر و عراق کی طرح تصوف کو بھی اس خطے میں فروغ حاصل ہوا۔ مشہور صوفی شفیق بلخی کا تعلق اسی علاقے سے ہے۔ ۱۵۳ھ میں وفات پائی۔ پھر ان ملکوں میں تصوف کی تحریک جاری رہی اور ابو حفص عمر بن سالم الحداد نیشاپوری (متوفی ۲۷۰ھ) ابو تراب نخشبی، ابو

علی الجوز جانی، ابو بکر محمد بن عمر الحکیم الوراق ترمذی، ابو عبداللہ محمد بن منازل نیشاپوری (سلسلہ ملامتیہ کے شیخ) اور ابوالعباس بن القاسم بن مہدی جیسے صوفیا اور زہاد پیدا ہوئے۔

فلسفہ

جہاں تک فلسفے کی تحریک کا تعلق ہے اس میں دو نمایاں شخصیات ابوزید بلخی اور ابوالقاسم کعبی ہیں۔ ابوزید احمد بن سہل البلخی نے علم شریعت اور ادب و فلسفہ کو جمع کیا۔ ابو حیان توحیدی فرماتے ہیں:

> "میری رائے میں متقدین و متاخرین میں تین اشخاص ایسے ہیں کہ اگر کونین کے علما و فضلا ان کی مدح و تعریف کریں اور فضائل علم و اخلاق میں ان کی خدمات کا ذکر کریں اور ان کی تصانیف و رسائل کا ذکر و احاطہ کریں تو ان میں سے کسی کی خدمت کا حق ادا نہ ہو گا۔ ان میں پہلے ابو عثمان عمرو بن الجاحظ ہیں۔ دوسرے ابو حنیفہ الدنیوری اور تیسرے ابو زید احمد بن سہل بلخی ہیں۔ ابو حنیفہ الدنیوری نادرہ روز گار شخصیات میں سے ہیں جنھوں نے فلاسفہ کی حکمت اور عربوں کی بلاغت کو جمع کیا۔ ابو زید احمد بن سہل بلخی وہ نادرہ روز گار شخصیت ہیں کہ جو کوئی شخص علوم کی اقسام میں، قوموں کے رویوں اور اخلاق میں، اور نظم قرآن کے موضوع پر ان کی تحریروں کا مطالعہ کرے گا، اس پر یہ حقیقت کھل جائے گی کہ وہ علم کا سمندر ہیں، عالموں کے عالم ہیں جنھوں نے فلسفہ و شریعت کو یک جا کر دیا۔" (۲)

ابو زید احمد بن سہل بلخ میں پیدا ہوئے، عراق کا سفر کیا اور آٹھ سال حصول علم میں بسر کیے، پھر اپنے علاقے میں لوٹ آئے، انھیں خراسان کا "جاحظ" بھی کہا جاتا ہے، مختلف علوم میں ساٹھ کتابیں تصنیف کیں، جن میں ایک کتاب "نظم قرآن" بھی ہے۔ یہ اپنے موضوع پر منفرد کتاب ہے، مصنف نے نہایت لطیف و دقیق پیرائے میں گفتگو کی ہے اور نظم قرآن کے اسرار و رموز کی نقاب کشائی کی ہے۔ مصنف قرآن میں جدل کے

قائل نہیں، بعض صحابہ کو بعض پر فضیلت دینے کے بھی قائل نہیں، عرب و عجم کی مفاخرت کو بھی ناپسند کرتے ہیں، ان کا خیال ہے کہ ان تینوں موضوعات پر مناظرہ و بحث کا کوئی فائدہ نہیں۔ ان کی تصانیف میں کتاب اقسام العلوم، شرائع الادیان، کتاب السیاسۃ الکبیر و الصغیر، حدود الفلسفۃ، کتاب الرد علی عبدۃ الاوثان اور کتاب اخلاق الامم قابل ذکر ہیں۔ مصنف جغرافیے میں بھی دسترس رکھتے تھے چنانچہ "صور الاقالیم" کے نام سے انھوں نے کتاب لکھی جو رنگین نقشوں سے مزین ہے۔ ۳۲۲ھ میں بلخ میں ان کا انتقال ہوا۔

ابوالقاسم عبداللہ بن احمد الکعبی کا تعلق بھی بلخ سے تھا، وہ ابوزید کے معاصر اور دوست تھے۔ علم کلام کے ماہر اور معتزلہ کے امام سمجھے جاتے ہیں، ایک خاص مسلک کے بانی ہیں جو "کعبیہ" کہلاتا ہے۔ ۳۱۷ھ میں وفات پائی۔

ان دو اصحاب علم کی کوششوں سے اس خطے میں حکمت و تعقل کی جو تحریک چلی، اس کا تاج مشہور فلسفی "ابن سینا" کے سر ہے جو مملکت سامانیہ کا درشہسوار ہے۔ ابو علی الحسین بن عبداللہ بن الحسن بن علی بن سینا عہد سامانی کی علمی تحریک کی نمایاں ترین شخصیت ہیں، جن کی کتاب "القانون فی الطب" آج بھی مشرق و مغرب کے اہل علم کا مرجع ہے۔ ابن سینا اپنے شاگرد ابوعبید جوزجانی کے حوالے سے اپنے حالات خود بیان کرتے ہیں:

> میرے والد کا تعلق بلخ سے تھا، نوح بن منصور سامانی کے دور میں وہ بلخ سے بخارا منتقل ہوئے، وہاں کے ایک گاؤں میں کام کاج کرنے لگے، میری قرآن اور ادب کی تعلیم کے لیے اتالیق مقرر کیا گیا، میرے والد مصریوں (فاطمیوں) کی دعوت پر لبیک کہنے والے اسماعیلی شمار کیے جاتے تھے۔ میں نے ان سے نفس و عقل کے موضوع پر اسماعیلی نقطہ نظر کی حامل گفتگو سنی۔ یہی حال میرے بھائی کا تھا، بسا اوقات میں ان کا آپس میں ہونے والا مذاکرہ سنتا اور جو وہ کہتے اسے پانے کی کوشش کرتا تو میرا دل اسے قبول نہ کرتا، پھر وہ مجھے اپنا موقف اختیار کرنے کی دعوت دینے لگے۔ ان کی زبانوں پر فلسفہ، ہندسہ اور ہیئت کے مسائل ہوتے جب کہ میں فقہ سے دلچسپی رکھتا تھا۔ پھر ابو عبداللہ ناتلی بخارا آئے جو فلسفی سمجھے جاتے تھے۔ میرے والد نے میرے استفادے کے لیے انھیں اپنے گھر ٹھہرایا۔

چنانچہ میں نے "ایسا غوجی" پڑھنا شروع کی اور جو مسئلہ بھی پڑھتا اس سے بہتر میں خود تصور کر لیتا، پھر میں نے خود اپنی تعلیم کا اہتمام کیا اور شرحوں کا مطالعہ کرنے لگا۔یہاں تک کہ میں علم منطق میں پختہ ہو گیا، اسی طرح اقلیدس کی کتاب کی پانچ یا چھ شکلیں پڑھیں، پھر باقی کتاب خود حل کر لی، پھر مجسطی شروع کی، اور طبیعیات و الہیات کی نصوص و شروح کا خود مطالعہ شروع کیا، علم کے دروازے مجھ پر کھلنے لگے۔ پھر میں علم طب کی طرف راغب ہوا اور مریضوں کی دیکھ بھال شروع کی اور ایسے ایسے تجربات کا سابقہ ہوا جو ناقابل بیان ہیں۔ ان سب علوم کے ساتھ ساتھ میں فقہ کی طرف متوجہ رہا اور اس میں غور و فکر کرتا رہا۔ میں نے ارسطو کی مابعد الطبیعیات پڑھی تو میری سمجھ میں کچھ نہیں آیا اور مایوسی طاری ہو گئی۔ پھر میں نے اسے چالیس مرتبہ پڑھا، یہاں تک کہ مجھے یاد ہو گئی۔ میں نے کہا کہ یہ کتاب سمجھی نہیں جاسکتی۔

ایک دن میرا گزر وراقین (کتب فروش) کے پاس ہوا تو ایک وراق نے ایک مجلد کتاب خریدنے پر اصرار کیا اور کہا کہ یہ سستی ہے، میں نے تین دراہم میں خریدلی، کیا دیکھتا ہوں کہ وہ مابعد الطبیعیات کے مقاصد میں فارابی کی کتاب ہے۔ میں اسے گھر لے آیا اور جلدی سے پڑھ ڈالی تو اس وقت ارسطو کی مابعد الطبیعات کے عقدے مجھ پر کھلے، کیونکہ وہ مجھے زبانی یاد تھی ------اس وقت بخارا کا سلطان نوح بن منصور سامانی اچانک بیمار پڑ گیا، چنانچہ علاج کے لیے اطبا طلب کیے گئے، میں بھی ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور ایک دن موقع پا کر میں نے سلطان سے ان کے کتب خانے میں داخلے کی اور علم طب کی کتابوں کے مطالعے کی اجازت طلب کی تو بادشاہ نے اجازت دے دی۔ میں جب کتب خانے میں داخل ہوا تو دیکھا کہ ایک بڑی عمارت ہے، جس میں کئی گھر ہیں اور ہر گھر میں کتابوں کے بھرے ہوئے صندوق ہیں جو ترتیب کے ساتھ اوپر

تلے رکھے ہوئے ہیں۔ایک میں عربی ادب اور شعر کی کتابیں ہیں اور دوسرے میں فقہ کی کتابیں ہیں۔اس طرح ہر گھر ایک الگ علم کی کتب پر مشتمل تھا۔ چنانچہ میں نے متقدمین کی کتب کی فہرست کا مطالعہ کیا اور جن کی مجھے ضرورت تھی وہ کتابیں طلب کیں۔میں نے ایسی ایسی کتابیں دیکھیں جو اس سے پہلے نہیں دیکھی تھیں اور نہ اس کے بعد دیکھیں۔ چنانچہ میں نے ان کتب کو پڑھا اور ان کے فوائد سے فیض یاب ہوا اور ہر شخص کے علمی مرتبے سے آگاہ ہوا۔۔۔۔
الی آخرہ (۲)

ابن سینا نے امیر غزنہ محمود بن سبکتگین کے ہاتھوں بخارا کا سقوط دیکھا اور رے او ہمدان کا سفر کیا،اپنے عہد کے متعدد جلیل القدر علما سے ملا،جن میں البیرونی،ابوالخیر بن انمار اور ابوالقاسم کرمانی شامل ہیں۔ابن سینا کی تصانیف نے وہ شہرت پائی جو فلاسفہ شرق میں کسی اور فرد کو نصیب نہیں ہوئی۔ کتاب القانون کے علاوہ الشفا،اشارات اور نجات ہر اس شخص کا مرجع رہی ہیں، جس نے اسلامی فلسفے کا مطالعہ کیا۔ابن سینا ۳۷۰ھ سے ۴۲۸ھ تک زندہ رہا۔

شاعری

شاعری میں اس خطے میں عراق و فارس کے اسالیب اختیار کیے گئے۔ تخیل کی جولانی، مبالغے کی گہرائی اور تشبیہات میں تنوع ان کی شاعری کی خصوصیات تھیں۔سامانی بادشاہوں نے ادب و شعر کی خصوصی سرپرستی کی،خاص طور پر وزیر بلعمی اور ابو عبداللہ الجیہانی ادب و شعر کے دلدادہ تھے،ابوالفضل محمد بن عبید اللہ البلعمی کے آباواجدا کا تعلق عرب کے قبیلہ تمیم سے تھا۔ وہ عقل، رائے، علم اور اہل علم کی قدردانی میں اپنے زمانے میں منفرد تھے، انھوں نے تاریخ طبری کا فارسی میں ترجمہ کیا۔جیہانی جن کا پورا نام ابو عبداللہ محمد بن احمد الجیہانی ہے، بڑے ادیب، بلند مرتبہ شخصیت اور جرات مند انسان تھے۔ان دونوں شخصیتوں نے بخارا میں علمی وادبی تحریک کو مہمیز دی۔

سامانی عہد کے متعدد شعرا کا تذکرہ ثعالبی نے اپنی مشہور تصنیف "یتیمۃ الدہر" میں کیا ہے۔ ان میں سب سے زیادہ قابل ذکر محمد بن موسی الحدادی بلخی ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ بلخ نے چار شخصیتیں پیدا کیں۔ علم کلام یں ابوالقاسم کعبی، بلاغت میں ابو زید بلخی، فارسی شاعری میں سہل بن حسن اور عربی شاعری میں محمد بن موسیٰ۔

ثعالبی کا قول ہے: کانت بخاری فی الدولۃ السا مانیۃ مثابۃ المجد و کعبۃ الملک و مجمع افراد الزمان و مطلع نجوم ادباء الارض و موسم فضلاء الدھر"(۴)

عہد سامانی میں بخارا بزرگی کا ٹھکانہ، اقتدار کا کعبہ اور نابغہ روز گار شخصیتوں کا سنگم اور جہان ادب کے ستاروں کا مطلع اور فضلائے دہر کے لیے ساز گار مقام تھا۔

اس خطے نے دو مشہور ادیب پیدا کیے، ابو بکر الخوارزمی اور بدیع الزمان ہمدانی۔ ابو بکر محمد بن العباس الخوارزمی کا تعلق خوارزم سے تھا۔ پھر یہ شام چلے گئے۔ حلب میں سیف الدولہ کے مہمان ہوئے اور رے میں صاحب بن عباد کے ہاں ٹھہرے، پھر نیشا پور لوٹ آئے اور ۳۸۳ھ میں انتقال کیا۔

دوسرے مشہور ادیب بدیع الزمان ہمدانی ہیں۔ ابوالفضل احمد بن الحسن، ہمدان میں پیدا ہوئے، ۳۸۲ھ میں نیشا پور گئے اور اپنے مشہور "مقامات" لکھے۔ مقامات کی صنف میں بدیع الزمان ہمدانی نے خصوصی مقام حاصل کیا جو ان کے حسن خیال، دقت نظر، ادبی تخلیق میں مہارت، اور گردش ایام کے نشیب و فراز پر ان کی گہری نظر پر دلالت کرتا ہے، اسی صنف کو بعد میں حریری نے اپنایا اور "مقامات حریری" نے عربی ادب میں نقش دوام حاصل کیا۔

لغت

اسی عہد میں ایک اور بڑا نام عبدالملک الثعالبی النیشا پوری کا ہے۔ ثعالبی نابغہ روز گار شخصیت تھے، لغت، علم و ادب اور تاریخ میں انھیں خصوصی مقام حاصل ہے۔ انھوں نے مشہور کتاب "فقہ اللغۃ" میں معجم کی تدوین کا ایک نیا تصور دیا اور وہ یہ کہ کلمات کو موضوعات کے اعتبار سے ایک ہی جگہ جمع کر دیا جائے۔ بعینہ یہ خیال ابن سیدہ کو اندلس میں

آیا، چنانچہ ثعالبی نے "فقہ اللغۃ" اور ابن سیدہ نے "المخصص" لکھی، دونوں مصنفین ہم عصر ہیں۔ ثعالبی کی وفات ۴۲۹ھ اور ابن سیدہ کی ۴۵۸ھ میں ہوئی۔ ثعالبی کی دوسری مشہور تصنیف "یتیمۃ الدہر فی محاسن اہل العصر" ہے جس میں چوتھی صدی ہجری کے ادبا کا تذکرہ ہے۔ مصنف کی دیگر تسانیف میں اعجاز و ایجاز، خاص الخاص، ثمار القلوب فی المضاف و المنسوب، من غاب عنہ المطرب، نثر النظم، حل العقد، غرر اخبار ملوک الفرس، اہم اور اپنے موضوع پر مفید کتابیں ہیں۔

اس خطے سے لغت کے ائمہ میں ازہری کا نام شہرہ آفاق حیثیت کا حامل ہے۔ ابو منصور محمد بن احمد ابن الازہر کا تعلق ہرات سے ہے۔ یہیں پیدا ہوئے اور یہیں انتقال ہوا۔ حصول علم کے لیے عراق تشریف لے گئے، اور ابن درید جیسے علماے لغت سے تلمذ اختیار کیا۔ پھر لغت کی جمع و تدوین کے لیے ملکوں ملکوں کا سفر کیا، یہاں تک کہ قرامطہ کے ہاتھوں گرفتار ہوئے۔ یہ اسیری ان کے لغت کی تدوین کے مقصد میں معاون ثابت ہوئی۔ جن بدوی قبائل نے ان کو قید کیا تھا وہ نہایت فصیح اللسان تھے، ان کی گفتگو میں کوئی لحن یا فاش غلطی نہیں ہوتی تھی۔ چنانچہ ازہری نے بے شمار الفاظ اور نادر کلمات اپنی کتاب میں داخل کیے، "تہذیب اللغۃ" دس جلدوں میں مرتب کی گئی۔ بعد میں ابن منظور کی لسان العرب کا سب سے بڑا مرجع "تہذیب" ہی ٹھہری۔

ابن منظور نے مقدمے میں لکھا ہے: "میں نے ابو منصور ازہری کی "تہذیب اللغۃ" سے زیادہ خوب صورت اور ابن سیدہ کی "المحکم" سے زیادہ کامل کوئی کتاب نہیں پائی۔ یہ دونوں کتابیں لغت کی امہات کتب میں ہیں۔ اور جو ان کے علاوہ ہیں وہ صرف راستے کی گھاٹیاں ہیں۔" ازہری کا انتقال ۳۷۰ھ میں ہوا۔

اسی طرح جوہری "صحاح" کے مصنف ہیں۔ انھوں نے اپنی معجم کی ترتیب میں جدید اور نادر اسلوب اختیار کیا کہ جسے بعد میں "قاموس" اور "لسان العرب" کے مولفوں نے اپنایا۔ جوہری جن کا اصل نام اسماعیل بن حماد ہے، فاراب سے تعلق رکھتے ہیں، عرب ملکوں کا سفر کیا اور ربیعہ و مضر قبائل کے درمیان رہ کر لغت کی تدوین کی، پھر نیشاپور لوٹے اور اپنی کتاب "الصحاح" مرتب کی جو لغت کی امہات کتب میں ہے، ان کا انتقال ۳۹۸ھ میں ہوا۔

علمائے لغت و ادب میں اسی خطے سے ایک اور بڑے عالم "الزوزنی" ہیں۔ ابو عمرو احمد بن محمد بن ابراہیم کا تعلق زوزن سے ہے جو نیشاپور اور ہرات کے درمیان ایک چھوٹا سا

شہر تھا۔ "زوزن" کو "چھوٹا بصرہ" بھی کہتے ہیں کیونکہ اس قصبے میں اتنے علما و فضلا پیدا ہوئے کہ اس کی طرف نسبت بھی باعث اعزاز ہوئی۔ زوزنی کی "شرح المعلقات السبع" مختصر اور مفید شرح ہے جو زوزنی کی علم لغت، نحو و صرف اور حسن ذوق پر دلالت کرتی ہے۔ (۵)

اس خطے کی علمی تحریک میں ان امرا و حکام کا بھی بڑا حصہ ہے جنھوں نے امارت کے ساتھ ساتھ علم و ادب کی سرپرستی بھی کی، ان میں خلفاے بنو عباس کی نسل سے وہ گروہ نمایاں تھا جو اپنے اجداد اور خراسانیوں کے درمیان مضبوط روابط سے آگاہ تھا، کیونکہ خراسانی سلطنت عباسیہ کے ستون تھے، چنانچہ عباسی خلفا کے بیٹے جب کبھی خراسان آتے تو اہل خراسان ان پر دل و جان نچھاور کرتے، ان میں سب سے زیادہ شہرت پانے والے ابو طالب عبدالسلام بن الحسین المامونی ہیں جو مامون کی کی نسل سے تھے۔ ثعالبی کہتے ہیں:۔

"میں نے مامونی کو بخارا میں (۳۸۲ھ) میں دیکھا اور کافی مدت ان کے ساتھ رہا، ان کی شاعری سنی اور اسے معرض کتابت میں لایا۔ مامونی چاہتے تھے کہ وہ خراسان میں لشکر ترتیب دے کر بغداد فتح کریں لیکن موت ان کی آرزو کے آڑے آئی اور وہ ۳۸۳ھ میں بمشکل چالیس سال کی عمر میں انتقال کر گئے۔"

غیر عباسی امرا میں آل میکال نے شہرت پائی۔ آل میکال خراسان کے اشراف کا ایک بڑا خاندان تھا۔ ابوالفضل عبید اللہ بن احمد المیکالی اور ابو محمد عبداللہ بن اسماعیل المیکالی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

ان عباسی و غیر عباسی امرا نے اپنے مال خرچ کر کے ایک عظیم علمی و ادبی تحریک کی سرپرستی کی اور اس سے اپنی عملی راہنمائی فراہم کی۔ چنانچہ مصنفین انھیں اپنے قصائد اور تصانیف تحفے میں پیش کرتے اور مالا مال ہو جاتے، مثلاً ابن درید، ابوالفضل المیکالی کی خدمت میں "الجمہرۃ" پیش کرتا ہے اور اپنا مشہور قصیدہ "یا ظبیتہ اشبہ شیی بالمہا" ابوالفضل کی تعریف میں کہتا ہے جس میں آل میکال کی تعریف میں شعر ملاحظہ ہو:

ان ابن میکال الامیر انتاشنی
من بعد ماقد کنت کالشیٔ اللقا (۶)

(بے شک امیر ابن میکال نے مجھے (گم نامی سے) نکالا، جب کہ میں گری پڑی چیز کی مانند تھا۔)

اسی طرح ابومنصور الثعالبی "لطائف المعارف" صاحب بن عباد کے لیے لکھتا ہے اور فقه اللغة اور سحر البلاغه ابوالفضل المیکالی کے لیے اور "النهایة فی الکنایة" مامون بن مامون امیر خوارزم کے لیے لکھتا ہے۔

مختصر یہ کہ وسط ایشیا کی سامانی سلطنت نے اپنے فارسی مزاج کے باوجود عربی ادب، اسلامی علوم اور اسلامی فلسفے کی وہ خدمات انجام دیں جنھیں فراموش نہیں کیا جاسکتا۔

مراجع

۱۔ المقدسی، شمس الدین البشاری، احسن التقاسیم فی معرفة الاقالیم (مدینة سیرن بریل) ۱۹۰۶ء، ص ۲۹۳۔ ۲۹۴۔

۲۔ یاقوت الحموی، معجم الادباء و طبقات الادبا، (مطبعة هندیه بالموسکی مصر) ۱۹۲۳ء الجزء الاول ص ۱۴۱

۳۔ ابن ابی اصیبعه، احمد بن القاسم، عیون الانباء فی طبقات الاطباء (دارالحیاة، بیروت) ۱۹۶۵ء، ج ۲ / ۲

۴۔ الثعالبی، ابو منصور عبدالملک بن محمد بن اسماعیل النیساپوری، یتیمة الدهر فی محاسن اهل العصر (مطبعة حجازی بالقاهره) ۱۹۴۷ء، ج ۲، ص ۳۲

۵۔ الزوزنی، ابو عبدالله الحسین بن احمد: شرح المعلقات السبع (دارالعلم، بیروت)

۶۔ احمد امین۔ ظهر الاسلام (لجنة التالیف والترجمه والنشر) مصر ۱۹۴۵ء الجزء الاول ص۔ ۲۷۴۔ ۲۷۶۔